باب دوم

تہذیب الاخلاق کے مختلف ادوار.....

(الف) تہذیب الاخلاق کا پہلا دور (۱۸۷۰ء۔۱۸۹۷ء):

سرسید احمد خان سے کون ہندوستانی واقف نہیں وہ ایک ہمہ گیر شخصیت و کردار کے مالک تھے دوراندیش اور دوربین انسان تھے۔ ہندوستانی قوم بالخصوص مسلمانوں کے مسیحا کہلائے جاتے ہیں۔ سرسید احمد خان نے بےعملوں کو عمل کا درس دیا، سوتوں کو جگایا، دنیا میں بے حقیقت سمجھنے والے لوگوں کو حقیقت سے آشنا کرایا۔ تنگ نظر کے لوگوں کے لئے ایک وسیع نظر سے دیکھنا سکھایا، گوشہ نشینوں کو خلوت سے نکال کر کھلی ہوا میں سانس لینا سکھایا۔ ماضی کی پوجا کرنے والوں کو حال سے روشناس کرایا اور اس سے بھی بڑھ کر مشرقی قوم کو مغرب سے واقف کرایا۔ 1857ء کی ناکام بغاوت سرسید نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ اس عہد کو قیامت خیز صغریٰ کے بعد مسلمانوں کے مسیحا بن کر سامنے آئے اور اپنی قوم کا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لئے اس قوم میں ایک نئی روح پھونک دی جس سے اس قوم میں خوب بیداری پیدا ہوئی وہ اس کشتی کے ناخدا بنے جو اس قوم کی قعرِ ذلت میں ڈبو رہی تھی اور انہوں نے اس کو ڈوبنے سے بچایا۔ وہ ہندوستانی مسلمانوں کی خوبیوں و خامیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔

دراصل سرسید کا مقصد اپنی اصلاحی اور تعلیمی تحریک کو عام کرنا تھا اور مسلمان قوم میں جدید

تہذیب کی روشنی میں تہذیبی ، اخلاقی معاشرتی شعور پیدا کرنا تھا جس کی غرض سے متعدد تدابیر اختیار کیں۔ انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمانوں کو مغربی علوم وفنون سے واقف کرایا جائے اور جدید تہذیب کی روشنی میں سماجی اور معاشرتی شعور پیدا کرنے کی غرض سے متعدد منصوبے اختیار کئے جائیں، ان میں سے ایک اہم تدبیر سرسید کا مشہور رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کا جاری کرنا تھا اس رسالے کا مقصد کیا تھا خود سرسید احمد خان اس کے اولین شمارے میں لکھتے ہیں۔

> ''اس پرچہ کے اجرا سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجے کی سولزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے۔ تا کہ جس حقارت سے سولزڈ یعنی مہذب قومیں ان کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی معزز ومہذب قوم کہلاویں۔''(۱)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سرسید کے اس رسالے کا مقصد اپنی مسلمان قوم کو ایک ایسی تہذیب سے واقف کرانا تھا جس نے اچھی عادتوں، اچھے رہن سہن، اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی۔ یقیناً اس رسالے نے مسلمانوں کے مذہبی وسماجی تنگ نظری کو غار سے باہر آنے کی دعوت دی۔ دراصل میں انگلستان کے قیام کے دوران سرسید احمد خان نے انگلستان کی تہذیب ومعاشرت کو بہت نزدیکی نگاہ سے دیکھا تھا کہ جب انگلستان کی حالت بھی ہندوستان کی طرح خراب وخستہ تھی تو وہاں تہذیب اور اخلاق کے دو پیغمبروں ایڈسین اور اسٹیل نے سوشل رفارمر کی حیثیت سے یکے بعد دیگر ''ٹیٹلر'' اور ''اسپیکٹیٹر'' دو رسالے جاری کئے۔ انہوں نے انگلستان کی کایا پلٹ ڈالی ان رسالوں سے سماجی خرابیاں جو جڑوں تک پھیلی ہوئی تھی جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ سرسید احمد خان نے

انگلستان کے دوران سے ہی یہ طے کرلیا تھا کہ ہندوستان واپس جا کر وہ بھی اسی طرح اسی قسم کا رسالہ نکالیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اس مقصد کے تحت یہ رسالہ تہذیب الاخلاق نکالا۔ اوراس کا پہلا شمارہ ۲۴ر دسمبر ۱۸۷۰ء کو منظر عام پر آیا اوراس کا وقفہ اشاعت متعین نہیں تھا اوراس سلسلہ میں ہر شمارہ کے پہلے صفحے پر یہ اشتہار دیا جاتا تھا کہ ''یہ پرچہ ہر مہینہ میں ایک بار یا دوبار یا تین بار جیسا کہ مقتضائے مضامین ہوگا، چھپا کرے گا'' پہلی بار یہ رسالہ چھ سال یعنی یکم شوال ۱۲۸۷ھ سے یکم رمضان ۱۲۹۳ھ یعنی ۲۰ ستمبر ۱۸۷۶ء تک پابندی سے شائع ہوتا رہا۔ اس کے بعد بند ہوگیا۔ بقول حالؔی:۔

> ''اول مسلمانوں کے مذہبی خیالات کی اصلاح اوران کو ترقی کی طرف مائل کرنے کے لئے پرچہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ انہوں نے اس پرچہ کے نکالنے کا ارادہ ولایت ہی میں کرلیا تھا کیوں کہ تہذیب الاخلاق کی پیشانی پر جواس کا نام اور بیل چھپتی تھی اس کا ٹائپ وہ لندن سے بنوا کر اپنے ساتھ لائے تھے۔ الغرض سرسید اوران کے دوستوں کی ایک کمیٹی قائم ہوئی جس کے ہر ممبر سے تہذیب الاخلاق کے اخراجات کے لئے ساٹھ روپیہ سالانہ اورعام خریداروں سے ساڑھے چار روپیہ سالانہ لینا قرار پایا تھا یکم شوال ۱۲۸۷ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو اس کا اول نمبر شائع ہوا۔ اور پہلی بار شوال ۱۲۸۷ھ سے رمضان ۱۲۹۳ھ یعنی پورے چھ برس تک برابر نکلتا رہا۔ اور ہمیشہ اس کے ایڈیٹر اور منیجر خود سرسید رہے۔ چوں کہ یہ پرچہ کوئی تجارتی

اخبار نہیں تھا بلکہ محض قوم کی بھلائی کے لئے جاری کیا گیا تھا اس لئے جو کوئی آمدنی ہوتی تھی وہ اسی کی ترقی میں صرف کی جاتی تھی۔''(۲)

اس چھ سال کی مدت میں کل ملا کر ''تہذیب الاخلاق'' کی سات جلد شائع ہوئیں۔ جو ۱۰۸ شماروں پر مشتمل تھیں، ۲۸ جلدیں اور مضامین کی کل تعداد ۲۵۲ تک تھی۔ جس کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ:

(۱) ۲۴/دسمبر ۱۸۷۰ء سے مارچ ۱۸۷۱ء تک ۷ شمارے اور ۲۲ مضامین۔

(۲) ۲۳/مارچ ۱۸۷۱ء سے ۲۶/فروری ۱۸۷۲ء تک، ۲۱ شمارے اور ۴۲ مضامین۔

(۳) ۱۱/مارچ ۱۸۷۲ء سے ۱۳/فروری ۱۸۷۳ء تک، ۲۵ شمارے اور ۶۸ مضامین۔

(۴) ۱/مارچ ۱۸۷۳ء سے ۱۹/جنوری ۱۸۷۴ء تک، ۱۸ شمارے اور ۴۰ مضامین۔

(۵) ۱۸/فروری ۱۸۷۴ء سے ۲۴/جنوری ۱۸۷۵ء تک، ۱۷ شمارے اور ۳۰ مضامین۔

(۶) ۷/فروری ۱۸۷۵ء سے ۲۸/دسمبر ۱۸۷۵ء تک، ۱۵ شمارے اور ۲۹ مضامین۔

(۷) ۲۸/جنوری ۱۸۷۶ء سے ۲۰/ستمبر ۱۸۷۶ء تک، ۹ شمارے اور ۲۱ مضامین شامل ہیں۔ کل ملا کر ۲۴/دسمبر ۱۸۷۰ء سے لیکر ۲۰/ستمبر ۱۸۷۶ء تک، ۲۸ جلدیں ۱۰۸ شمارے اور ۲۵۲ مضامین شامل ہیں۔

تہذیب الاخلاق دورِ اوّل (حصہ اوّل)

سنہ اشاعت	جلد	شمارے	تعداد مضامین

یکم شوال ۱۲۸۷ھ تا ۱۵/ذی الحجہ، ۱۲۸۷ھ ۲۲/دسمبر ۱۸۷۰ء تا ۷/مارچ ۱۸۷۱ء	۱	۷	۲۲
یکم محرم ۱۲۸۸ھ تا ۱۵/ذی الحجہ ۱۲۸۸ھ ۲۳/مارچ ۱۸۷۱ء تا ۲۶/فروری ۱۸۷۲ء	۲	۲۱	۴۲
یکم محرم ۱۸۷۲ھ تا ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۸۹ھ ۱۱/مارچ ۱۸۷۲ء تا ۱۳/فروری ۱۸۷۳ء	۳	۲۵	۶۸
یکم محرم ۱۲۷۰ھ تا یکم ذی الحجہ ۱۲۹۰ھ یکم مارچ ۱۸۷۳ء تا ۱۹/جنوری ۱۸۷۴ء	۴	۱۸	۴۰
یکم محرم ۱۲۹۱ھ تا ۱۵/ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ ۱۸/فروری ۱۸۷۴ء تا ۲۴/جنوری ۱۸۷۵ء	۵	۱۷	۳۰
۷ فروری ۱۸۷۵ء تا ۲۸ دسمبر ۱۸۷۵ء	۶	۱۵	۲۹
یکم محرم ۱۲۹۲ھ تا یکم رمضان ۱۲۹۳ھ ۲۸ جنوری ۱۸۷۶ء تا ۲۰/ستمبر ۱۸۷۶ء	۷	۹	۲۱
	کل جلد ۲۸	کل شمارے ۱۰۸	کل مضامین ۲۵۲

سرسید کے زمانے میں ''تہذیب الاخلاق'' میں جو مضامین شائع ہوئے ان کی معنویت

آج بھی برقرار ہے بلکہ موجودہ حالات میں ان کی اہمیت وافادیت پہلے سے بھی اہم ہے۔اس زمانے میں ''تہذیب الاخلاق'' کا اچھا خاصا ذخیرہ ہوگیا لیکن ساتھ ہی ساتھ ''تہذیب الاخلاق'' کے خلاف بہت سے اخبار ورسالے شائع بھی ہوتے رہے۔اس کی خلافت مسلمان اخبار نویسوں ومدیروں نے کی۔یہ لوگ ''تہذیب الاخلاق'' کی مخالفت میں پیش پیش رہے ان میں مولوی امداد علی کا رسالہ امداد الآفاق اس کا نام رکھا، مولوی علی بخش خان بہادر نے دو رسالے نکالے ''شہاب ثاقب'' اور ''تاہید الاسلام''، ''نورالآفاق'' اور ''نورالانوار'' کے نام تو خود سرسید نے اپنی تحریروں میں لئے ہیں جو کانپور سے نکلتے تھے۔

بہرحال ایک حلقہ پیدا ہوگیا جو ''تہذیب الاخلاق'' کی خلافت میں اخباروں ورسالوں میں لکھا کرتا تھا۔سرسید خود ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

> ''جہاں تک ہم سے ہوسکا ہم نے علم وادب کی ترقی میں اپنے ان پرچوں کے ذریعہ کوشش کی۔'' (۳)

اپنے ایک مضمون میں سرسید یوں رقمطراز ہیں:۔

> ''آج اگر ہم اپنی قسمت پر فخر کریں تو بھی بجا ہے اور اگر اپنی قوم کے اقبال کی فصل بہار کی آمد آمد کی خوشیاں منائیں تو بھی زیبا ہے جو کچھ اس سوا چار برس میں ہوا کیا ایسے قلیل زمانے میں اس کے ہونے کی ہم کو توقع تھی۔توبہ توبہ کیا ہم کو ایسا جلد ان ناچیز پرچوں سے اپنی قوم کو جگانے اور اٹھانے کی جو مدت دراز سے غفلت کے تاریک گھڑے میں پڑی ہوئی ہے خبر سور ہی تھی

توقع تھی ہماری قوم کی جو کچھ بداقبالی تھی وہ یہی تھی کہ کچھ نہ تھے اور جانتے تھے کہ ہم سب کچھ ہیں۔ اس غفلت کے دادوے وبیہوشی نے اس کے کانوں کو بہرا کر دیا تھا دل پتھر ہو گئے تھے۔ دماغ قابو میں نہیں رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں مست ہو گئے تھے۔ زندہ تھے پر مردوں سے بدتر تھے۔'' (۴)

لکھتے ہیں:

'' تمہارا کیا اجارہ ہے؟ ہم یوں ہی پڑے رہیں گے۔ بعضے ان میں سے اپنے پاس والوں کو کہتے ہیں کہ تم بھی پڑے رہو۔ مت اٹھو سید احمد کون ہے جو جگاتا پھرتا ہے۔'' (۵)

'' تہذیب الاخلاق'' کے بند ہو جانے پر جو اس رسالے کے چاہنے والے تھے ان کے دلوں پر شاق گذرا جو اسے مسلمان قوم کی اصلاح کا ایک اہم ذریعہ تصور خیال کرتے تھے۔ یہ سبھی لوگ ایک ہو کر اس رسالے کو پھر سے شروع کرنے کا اصرار کرتے آخر یہ رسالہ تین سال بعد دوبارہ سے یکم جمادی الاول ۱۲۹۶ھ یعنی ۲۳/اپریل ۱۸۷۹ء کو اس کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ چونکہ اس دور میں سرسید علمی وادبی کاموں میں بہت مشغول رہے اُنہیں مصروفیت بہت زیادہ ہو گئی۔ اس دور میں کالج کا بھی ابتدائی زمانہ تھا اس وجہ سے بھی سرسید اور ان کے رفقاء بہت مصروف ہو گئے اور سرسید اسی کالج کے بناؤ سنگار میں لگے رہے ساتھ ہی اپنی تصنیف وتالیف کا دور بھی بہت زوروں سے چلتا رہا جس کی وجہ سے اس دور کے تہذیب الاخلاق کی طرف کم توجہ دی جانے لگی اور نہ ہی سرسید کے رفقا نے اس رسالے کو لیکر کوئی توجہ دی۔ نتیجہ یہ ہوا آخر میں کہ '' تہذیب الاخلاق'' اس دور میں صرف دو سال اور چار ماہ جاری رہا اور پھر بند ہو گیا۔ امداد صابری لکھتے ہیں

کہ ایک سال سات ماہ کے بعد تہذیب الاخلاق دوبارہ جاری ہوا تھا لیکن تہذیب الاخلاق کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ دور اول کے تین سال سات ماہ کے بعد اس رسالے کا دوسرا حصہ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء تا ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۸۱ء ہے۔

۱۔اپریل ۱۲۹۶ھ۔۱۸۷۹ء سے اگست ۱۲۹۶ھ۔۱۸۷۹ء تک ''تہذیب الاخلاق'' کے مضامین کی تعداد ۴۴ تھی۔

۲۔ستمبر ۱۸۸۰ء ۱۲۹۷ھ سے ۲۸/جولائی ۱۸۸۱ء تک ''تہذیب الاخلاق'' کے مضامین کی تعداد ۲۳ تھی اور اس دور میں کل ملا کر مضامین کی تعداد ۶۷ تک پہنچ گئی۔ اس سلسلہ کا آخری پرچہ یکم رمضان ۱۲۹۸ھ کے مطابق جولائی ۱۸۸۱ء کو شائع ہوا۔

دوراوّل (حصہ دوم)

سنہ اشاعت	تعداد مضامین	
جمادی الاول ۱۱۹۶ھ تا رمضان ۱۲۹۸ھ اپریل ۱۸۷۹ء اگست ۱۸۷۹ء	۴۴	
شوال ۱۴۹۰ھ تا رمضان ۱۲۹۸ھ ستمبر ۱۸۸۰ء ۲۴ء جولائی ۱۸۸۱ء	۲۳ کل ۶۷	

حصہ دوم کے مصنّفین اور تعداد مضامین

مصنّفین	تعداد	مصنّفین	تعداد

جمادی الاول تا رمضان ۱۲۹۶ھ تا ۱۲۹۷ھ ۱۸۷۹ء		شوال تا رمضان ۹۸،۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء ۱۸۸۱ء	
سرسید	۱۷	سرسید	۶
مشتاق حسین	۳	سمیع اللہ	۱
ذکاءاللہ	۷	ذکاءاللہ	۶
ابوالحسن	۲	منشی مہدی حسن	۶
محمد احسان اللہ	۷	کمیٹی مدرسۃ العلوم	۱
حالؔی	۶	حالی	۱
ایک نیچری مسلمان	۱		
اودھ پنچ	۱		
	۴۴		۲۱

اس رسالے کے پہلے اور دوسرے حصے کے مضامین کو پڑھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دوسرا حصہ پہلے حصے کے مقابلے میں واضح طور پر پست ہے۔ اس دور کے مضامین میں نہ تو پہلے جیسی وسعت و گہرائی ہے نہ ہی وہ تنوع وجدت ہے اس کے مضامین کی تعداد و لکھنے والوں کی تعداد میں بھی کمی پیش آئی۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی رہی کہ اس دور میں لکھنے کا بوجھ صرف سرسید ہی پر پڑا۔ جس سے یہ اثر صاف دکھائی دیا کہ یہ سلسلہ زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔

تیسری بار ''تہذیب الاخلاق'' کو جاری کرنے کا سہرا مولوی نذیر احمد کے سر جاتا ہے جن کی عمدہ کو شیشوں سے یہ دوبارہ شروع ہوا۔ مولوی نذیر احمد کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے محسن الملک ایک شمارے میں فرماتے ہیں:

> ''ہمارے مولوی نذیر احمد صاحب نے جو احسان اپنی فصیح و بلیغ تقریروں اور پُرمغز تحریروں اور بے نظیر لیکچروں اور علمی و اخلاقی اور مذہبی تصنیفوں سے قوم پر کیا ہے، وہ سب جانتے ہیں مگر تہذیب الاخلاق کا دوبارہ جاری کرانا بھی انہیں کا حصہ تھا۔ انہوں نے اب کے کانفرنس کے جلسے میں اپنی جادو بیانی سے لوگوں کو کچھ ایسا دیوانہ کر دیا کہ جو ہر شخص تہذیب الاخلاق پکارنے لگا۔ اور چاروں طرف سے اس کے دوبارہ جاری کرنے کا شور مچ گیا۔''(۶)

دراصل مولوی نذیر احمد نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ہشتم منعقدہ علی گڑھ میں اس بات پر بڑا دُکھ ظاہر کیا کہ ''تہذیب الاخلاق'' بند پڑا ہوا ہے اس کو دوبارہ شروع کر دینا چاہئے ۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں پر اس کا اثر بہت گہرا پڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے ''تہذیب الاخلاق'' ۱۷/اپریل ۱۸۹۴ء کو سرسید احمد خان کے دور حیات میں تیسری بار جاری ہوا جس سے سرسید اس مطالبے کے آگے پرُ انداز ہوئے ۔ مولوی نذیر احمد نے اپنے لیکچر میں اس رسالے کے متعلق صاف کہا تھا کہ اگر چہ سرسید کے پاس وقت نہیں مگر ان کے رفقاء اس رسالے کے چاہنے والے یہ کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ حالانکہ مولانا الطاف حسین حالی نے حیات جاوید میں یہ بھی

کہا ہے کہ اس رسالے کو دوبارہ سے شروع کرنے کا سہرا محسن الملک کے سر ہے یہ بات مولانا نے کہہ کر سب کو چونکا دیا حالانکہ محسن الملک نے خود اس بات کی تصدیق کی تھی کہ اس دور میں اس رسالے کو شروع نذیر احمد نے کیا۔ یہاں مولانا الطاف حسین حالی یا تو نذیر احمد کا نام نہیں لینا چاہتے یا پھر بھول ہوئی ہوان سے یا پھر ممکن ہے خالق کو یہاں کچھ تسانح ہو گیا ہو اور ڈپٹی نذیر احمد کی جگہ محسن الملک کا نام لکھ گئے ایسے غیر ذمہ دارانہ بیان سے اُردو زبان وادب کا معیار یقیناً نیچے گر جاتا ہے اور اُردو ادب سے لوگوں کا رشتہ بھی لگ بھگ ختم ہو جاتا ہے۔

تہذیب الاخلاق تیسری بار تین سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک جاری رہا اس دوران اس رسالے کی فہرست کچھ یوں رہی۔

ا۔اپریل ۱۸۹۴ء سے مارچ ۱۸۹۵ء تک تہذیب الاخلاق کے ۶۲ مضامین ۱۲ شمارے اور ایک جلد میں۔

۲۔مارچ ۱۸۹۵ء سے مارچ ۱۸۹۶ء تک مضامین کی تعداد ۴۵، شمارے ۱۲، اور ۲ جلد۔

۳۔ مارچ ۱۸۹۶ء سے فروری ۱۸۹۷ء تک تہذیب الاخلاق کے مضامین کی تعداد ۳۸۔۱۳ شمارے اور ۳ جلد۔کل ملا کر اپریل ۱۸۹۴ء سے لیکر فروری ۱۸۹۷ء تک تہذیب الاخلاق کی ۶ جلدیں ۳۷ شمارے اور مضامین کی تعداد ۱۴۵ رہی۔

یکم رمضان ۱۳۱۴ھ (۳ فروری ۱۸۹۷ء) کو اس سلسلہ کا آخری پرچہ شائع ہوا۔

دوراوّل (حصہ سوم)

مصنّفین	جلد	شمارے	تعداد مضامین

ابتدائے شوال ۱۳۱۱ھ تا رمضان ۱۳۱۲ھ اپریل ۱۸۹۴ء تا مارچ ۱۸۹۵ء	۱	۱۲	۶۲
ابتدائے شوال ۱۳۱۲ھ تا رمضان ۱۳۱۳ھ مارچ ۱۸۹۵ء مارچ ۱۸۹۶ء	۲	۱۲	۴۵
شوال ۱۳۱۳ھ تا رمضان ۱۳۱۴ھ مارچ ۱۸۹۶ء فروری ۱۸۹۷ء	۳	۱۳	۳۸
	۶	۳۷	۱۴۵

اس رسالے کو سرسید احمد خان کے انتقال کے بعد بند کر دیا گیا ساتھ ہی انیسویں صدی میں اس کا وجود بھی ختم ہو گیا۔ تقریباً بارہ سال تک ملک وقوم کی شاندار خدمات انجام دینے کے بعد یہ قصہ پارینہ بن گیا۔ اس میں اس دوران تقریباً علمی وادبی، معاشرتی وتہذیبی، ثقافتی، مذہبی تمدنی جیسے موضوعات پر مضامین لکھے گئے۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ سرسید احمد خان نے اپنے انگلستان قیام کے دوران ''ٹیٹلر'' اور ''اسپکٹیٹر'' دو رسالے دیکھے جو ایڈیسن اور اسٹیل نکال رہے تھے۔ ان دو رسالوں کا اہم مقصد اصلاح ومعاشرت تھا اور یہ دونوں خود بھی انشاء پرداز تھے اور رسالوں کے مضامین میں اخلاقیت کا عنصر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا تھا۔

جس طرح سے ایڈیسن اور اسٹیل نے اپنے پرچوں میں مذہبی مباحثوں کو دور رکھا ویسے ہی سرسید چاہتے تھے کہ اپنے ان مضامین میں مذہبی عقائد، مذہبی مناقشوں سے دور رکھنا چاہئے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ایسا نہیں کر سکے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ سرسید کو مذہب کے

میدان میں قدم رکھنا پڑا۔اور یہ کہا بھی جاتا ہے کہ قوم وتہذیب ومعاشرے کے مطابق ہی کسی چیز کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔اوراُس وقت لوگ ہر معاملے میں مذہب کی آڑ لیتے تھے۔اس وجہ سے سرسید کا کام اور بھی مشکل ہوگیا۔سرسید احمد خان نے اس بات کا خود بھی اعتراف کیا ہے لکھتے ہیں:

''اسٹیل اور ایڈیسن کو اپنے زمانے میں ایک بات کی بہت آسانی تھی کہ ان کی تحریر اوران کے خیالات جہاں تک کہ تھے تہذیب شائستگی وحسن معاشرت پر محدود تھے۔مذہبی مسائل کی چھیڑ چھاڑ ان میں کچھ نہیں تھی۔ہم بھی مذہبی خیالات سے بہت بچنا چاہتے ہیں مگر ہمارے ہاں تمام رسمیں اور عادتیں مذہب سے ایسی مل گئی ہیں کہ بغیر مذہبی بحث کئے ایک قدم بھی تہذیب وشائستگی کی راہ میں نہیں چل سکتے۔''(۷)

اس سے یہ صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ سرسید احمد خان ہر چیز کو سائنٹفک طور وطریقے سے پیش کرنا چاہتے تھے لیکن چونکہ اُس وقت سرسید کے حلقہ احباب رفقا بھی ان کے رائے سے متفق نہیں نظر آتے ہیں اور مذہبی مباحثوں سے مجموعی طور پر سرسید کے مشن کو نقصان پہنچا۔سرسید کی مخالفت کا اثر مسلمانوں میں اس وجہ سے بڑھتا گیا کہ ان کے خیالات ونظریات مذہبی معتقدات راسخ العقیدہ مسلمانوں کے نظریات سے ملتے نہیں۔خودسرسید کے رفقاء بھی کبھی کبھی سرسید کی خلافت اس ہی مسئلے پر کیا کرتے تھے اوراوپر سے سرسید احمد خان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے بھی قائل نہیں تھے۔کیونکہ سرسید قرآن کو سائنٹفک طورطریقے سے

پیش کرنا چاہتے تھے ان کا کہنا تھا کہ قرآن کو اٹھایئے اور پڑھئے کہیں اس میں یہ نہیں درج ہے کہ آپ کو فی الواقع آگ میں ڈال ہی دیا گیا ہو ساتھ ہی سرسید کا ایک مضمون ''کیا قرآن کریم سے حضرت ابراہیم کا آگ میں ڈالا جانا ثابت ہوتا ہے'' اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ سرسید کے نظریات وخیالات عام مسلمانوں کے خلاف تھے۔ جس سے مسلمان قوم میں ان کے خلاف نفرت کی لہر پیدا ہوگئی۔ سرسید نے مذہبی معاملات کے علاوہ بھی بہت بڑی تعداد میں اخلاقی مسائل پر مضامین لکھے لیکن لوگوں کو یہ بھی گوارا نہیں ہوا اور ان کے خلاف متعدد مضامین لکھے خاص طور سے مسلمانوں کی طرف سے ان کی خلافت کا بازار گرم ہوگیا۔ مضامین میں کچھ تو ''تہذیب الاخلاق'' میں مضامین شائع ہوتے رہے۔ کچھ لوگوں کا حلقہ ایک یہ بھی پیدا ہوا کہ ''تہذیب الاخلاق'' اور سرسید دونوں کی تنقید کرنا ہی ان کا مقصد رہا۔ بہر حال چاہے ءسرسید کی مخالفت ہو یا ''تہذیب الاخلاق'' کی مخالفت ہو یا پھر سرسید کے مشن کی خلافت ہو اس سے ایک بات تو صاف ظاہر ہوئی تھی کہ ''تہذیب الاخلاق'' وسرسید کے کام کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی ہاں یہ بات سچ ہے کہ اگر مذہبی مناقشے نہ چھیڑے جاتے تو مقبولیت اور زیادہ ہوسکتی تھی۔ سرسید احمد خان کے رفقائے کار میں مولانا الطاف حسین حالی، محسن الملک، وقار الملک، مولوی ذکاءاللہ، مولوی چراغ علی، سید محمود، وحید الدین سلیم اور مولوی عنایت رسول چڑیا کوٹی کے اسماء گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں نے نہ صرف سرسید کے مشن میں کام کیا بلکہ اردو زبان وادب میں بیش بہا اضافہ بھی کیا۔ ان لوگوں نے زیادہ تر سرسید کے ہی اسلوب کو اپنایا اور قدیم تر اسلوب سے انحراف کیا جس سے سادگی وسلاست پیدا ہوگئی۔

سرسید احمد خان کے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' نے ملک وقوم کی خدمت سرانجام دی اور اردو نثر کو بام عروج پر پہنچانے میں اس کا اہم رول رہا ہے۔ اس سے نہ صرف ادب میں لکھنے والوں کا حلقہ بڑھا بلکہ سادہ نثر کی بنیاد بھی بڑی حد تک اس سے پڑی۔ سرسید ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک ہم سے ہوسکا ہم نے اردو زبان کے علم وادب کی ترقی میں اپنے ناچیز پرچوں کے ذریعہ سے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ جہاں تک ہماری کج مج زبان نے یادی دی الفاظ کی درستی، بول چال کی صفائی پر کوشش کی۔ رنگینی عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوتی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا، پرہیز کیا۔ تُک بندی سے، جو اس زمانے میں مقفی عبارت کہلاتی تھی ہاتھ اٹھایا۔ جہاں تک ہوسکا سادگی عبارت پر توجہ کی۔ اس میں کوشش کی کہ جو لطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں ہو جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے۔ تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔'' (۸)

مجموعی طور پر ''تہذیب الاخلاق'' کے مضامین میں تنوع ہے اس میں ہر قسم کے موضوعات ومسائل پر قلم اٹھایا جاتا تھا۔ ان میں سائنس، اخلاقیات، سماجی تہذیب وتمدن، تاریخ، فلسفہ، تعلیم، عصری معاملات وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ''تہذیب الاخلاق'' میں نہ صرف مضامین کی تعداد و لکھنے والوں کا حلقہ بڑا تھا بلکہ ''تہذیب الاخلاق'' میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج سے متعلق کمپنیوں کا ذکر

بھی بڑی تفصیل سے کیا جاتا تھا۔ جو اخلاقی، سماجی، معاشرتی، مذہبی، تمدنی، سیاسی ومعاشی مسائل اس وقت تھے یہی مسائل اس وقت بھی مسلمانوں کے ہیں اور یہ اُس وقت کا سب سے بڑا کارنامہ مسلمان قوم کے حوالے سے تھا اوراس لئے تہذیب الاخلاق کی اہمیت وخصوصیت اس وقت بھی مسلّم تھی اورآج بھی کوئی کم نہیں ہے بلکہ دن بدن کچھ زیادہ ہی زمانے کے ساتھ بڑھتی جارہی ہے۔ ہاں اگر وقت کی کچھ ضرورت ہے تو یہ کہ ان خیالات کولوگوں میں عام کیا جائے اوران مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ جس سے لوگوں میں ایک نئے طریقے کی سوچ کا آغاز پیدا ہوجائے۔ بارہ سال تک اس پرچے نے اپنی قوم کی خدمات انجام دی۔ اس سے نہ صرف مسلمان قوم میں بلکہ ہر ملت وہر طبقے کے لوگوں کوان خیالات تجربات ونظریات سے فائدہ ہوگا۔ سرسید نے ''تہذیب الاخلاق'' کے ذریعے اپنی قوم کے لئے جوخدمات سرانجام دیں۔ سرسید کے ایک رائے سے ہی اس دورکوختم کرتے ہیں۔

> ''سات برس تک ہم نے بذریعہ اس پرچہ کے اپنی قوم کی خدمت کی۔ مذہبی بے جا جوش سے جس تاریک گڑھے میں وہ چلی جاتی تھی اس سے خبردار کیا دنیاوی باتوں میں جن تاریک خیالات کے اندھیرے میں وہ مبتلا تھی، اس میں ان کو روشنی دکھائی مذہب اسلام پر نادانی کی جس قدر گھٹائیں چھارہی تھیں ان کو ہٹایا اوران کے اصلی نور کو جہاں تک ہم سے ہوسکا چمکایا اردو زبان کا علم وادب جو بدخیالات اور موٹے وبھدّے الفاظ کا مجموعہ ہورہا ہے اس میں بھی جہاں تک ہم سے ہوسکا ہم نے اصلاح چاہی۔'' (۹)

۱۸۷۰ء سے ۱۸۹۷ء تک رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کیلئے مضمون لکھنے والوں کی تعداد کافی ہے جنہوں نے اپنی علمی وادبی، ذہنی وتخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے قوم کو رسالہ'' تہذیب الاخلاق'' کے خیالات واس کی حکمت عملی سے روشناس کرایا یہی وجہ ہے کہ سرسید دور کے مضمون کافی معیاری سمجھے جاتے ہیں۔سرسید احمد خان نے رسالہ''تہذیب الاخلاق'' کے لئے جو مضامین لکھے ان کی فہرست یوں ہے:۔

(۱) مضمون نگار: سرسید احمد خان:اقسامِ احادیث، الارض پست بساکند، اعتقاد باللہ، افسوس مسلمانوں کے حال پر، اختلاف وروایات الیہودنی الاسلام، ادنی حالت سے اعلیٰ حالت پرانسان کی ترقی، ابطال غلامی، اپنی مدد آپ، احادیث، آدم کی سرگزشت، آزادی رائے، انڈین آبزرور اور مسلمان، انسان کے خیالات، بحث وتکرار، بھولا بھالا دیندار اور پکا فلاسفر، ترقی تعلیم مسلماناں، ترقی علوم، تشبہّ، تحقیق معنی من تشبہ لقوم فہو منہم، تصویر آدم وجوا جو پتھر کے بیلن پر کھدی ہوئی کالڈیا کے کھنڈرات میں سے نکلی، تربیت اطفال، ایک تدبیر مسلمانوں کے خاندانوں کو تباہی اور بربادی سے بچانے کی، اتیتھی نیم کلب، ایاہان بت کا بیان، انسان وحیوان، انسان اور حیوان میں کیا چیز فرق ہے، امید کی خوشی، دُنیا با اُمید قائم ہے، الالفاظ الواردہ فی الکتاب والسنۃ والروایات علی سبیل المجاروالاستعارات، التلازم والمعلول، الدلیل والبرہان، انتخابات، حضرت سلیمان علیہ السلام، حُب ایمانی اور حُب انسانی، چندہ العلوم مسلمانان، جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھنی، جلسہ عظیم آباد پٹنہ واسطے ترقی چندہ مدرستہ العلوم مسلمانان تہذیب الاخلاق اور اس کے حامیوں کو مبارک باد، ٹرک، تہذیب الاخلاق، تکمیل، تفسیر، قرآن، تعصب، تعلیم وتربیت، تعلیم

مذہبی، تعلیم، روح، رسم ورواج کی پابندی کے نقصانات، روئداد اجلاس صدر کمیٹی خواستگاران ترقی تعلیم مسلمانان ہندوستان واقع ۱۲ر مئی ۱۸۷۲ء، رسم ورواج، رسم ورواج: لیکچرز جو مرزا پور انسٹی ٹیوٹ میں، ذات باری جل جلالہ واعظم شانہ، ذاتہ، وصفاتہ، تعالی شانہ، ذکر لڑکی یعنی روم کی مجلسوں کا، دین اور دنیا کا رشتہ، دیباچہ خطباتِ احمدیہ علی العرب والسیر ق المحد ہ دنیا کب بنی اور کتنی مدت میں، دعوت اسلام، دارالعلوم مسلمان، خوشامد، خودغرضی اور قومی ہمدردی، خلق کائنات، خطبہ من خطبات الاحمدیہ، خدا کا کلام، حکایت ایک نادان خداپرست اور دانا دنیادار کی، خدیو مصر کی محل سرا، خضر کیا درحقیت کوئی شخص تھے یا صرف فرضی نام، محسن الملک، مہدی علی، خط متعلق حدیث تشبہ مع جواب سرسید مدرسۃ العلوم مسلمان، صفات باری وصفات انسانی، طبعیوں یا نیچریوں یا فطریتوں، طبقات علوم الدین، طریقہ تعلیم مسلمانان، طریقہ تناول طعام، طریقہ زندگی، عالم غیب، عالم مثال یا ملاء اعلیٰ، شکریہ صحت، سولزیشن یا تہذیب، سمجھ یعنی تمہیز جس سے بھلائی برائی میں امتیاز کیا جاتا ہے، سراب حیات، سحر یعنی جادو، سحر جادو برحق ہے اور کرنے والا کافر ہے، زندگانی، زمانہ کا اثر مذہب پر، زاہد اور فلاسفر کی کہانی، دوسلطنتوں کا مقابلہ، روئداد صدر انجمن مسلمانان پنجاب مقام لاہور منعقدہ، مدرستہ العلوم، کاہلی، کافر فراگلے زمانے میں بھی گزرے ہیں، کالڈیا کی نظم میں طوفان کا ذکر، قوم نوح کے مذہبی حالات کی تحقیق، قواعد تقرر اسکالرشپ واسطے طالب علمان مدرستہ العلوم مسلمانان، قانون قدرت۔ جس کو انگریزی میں لاآف نیچر کہتے ہیں، غیر مفید تعلیم، غلامی، عید، عورتوں کے حقوق، علامات قیامت، علاماتِ قرات، عقائد مذہب اسلام، عقائد مذہب اسلام، عرب کے بتوں کے نام اور ان کے حالات، عبادت سے کیا فائدہ

ہے، عبادت ، مصر اور اس کی تہذیب، مسلمان رفارمر، مسلمانوں کی قسمت، مشرقی علوم وفنون ، مسلمانوں کا افلاس، مذہب اور تعلیم ، مذہب اور نیچرل سائنس، مسلمان اور تعلیم زبان انگریزی ، مسافران لندن یعنی سفرنامہ لندن، کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیئے، مخالفت، گناہ سے کیوں عذاب ہوتا ہے اور شرک سے کیوں نجات نہیں ہوتی، گریجویٹ اور تجارت، گزرا ہوا زمانہ، کیا قرآن کریم سے حضرت ابراہیم کا آگ میں ڈالا جانا ثابت ہوتا ہے، ہندوؤں میں ترقی ، ہندوستانیوں کی تعلیم ولایت میں، مضمون، وحدت الوجود، وحشیانہ نیکی، نوروز یعنی شروع سال نبوی ، ورنہ کلر یعنی ہماری زبان ، وفات لارڈ ہارڈ ہابرٹ بہادر گورنر مدراس ، ہماری قوم کو کیا کرنا چاہیئے، ہماری زبان اور ہماری اعلیٰ درجے کی تعلیم، ہمدردی: ہر کوئی اپنی مدد آپ کرتا ہے۔

سرسید احمد خان کے ساتھ ساتھ اس رسالے کے لئے جو اس دور میں قلم کار تھے جن میں حالؔی، چراغؔ علی، وحیدالدین سلیم، محمد سمیع اللہ، محمد سلیمان شاہ پھلواری، احسان اللہ خان، محمد اکرام حسین، احمد شاہ، سید احمد علی، احمد علی حیا الدین برہانپوری، امام الدین، الٰہی خاں، الاسد الاعظمی، امجد اللہ، بکل سنہری طامس، سید اقبال علی، اسٹریچی سرجان، حبیب اللہ خاں، محمد حکمت اللہ، سراج الدین احمد، محمد رحمت اللہ بیگ، صفدر حسین، رابرٹ شاہ، عابد علی مرزا، وقار الملک، محسن الملک، محمد حسین، محمد محسن، محمد اکبر، محمد ابراہیم، محمد محمود، محمد یوسف، مظہر الحق، اے۔ مہدی حسن، نثار احمد، محمد نصرت علی، نجف علی سہرامی، نذیر احمد، محمد میر، محمد ہاشم، محمد یار خاں، عبدالحق، علی مرزا عابد، عباسی عنایت رسول، کریم بخش، منشی غلام محمد، سید غلام حیدر، عنایت اللہ محمد، محمد یعقوب خاں وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ جنہوں نے تقریباً ہر موضوع پر قلم اُٹھایا اور اپنے خیالات سے قوم کو روشناس

کرایا۔ان تمام قلم کاروں میں سرسید کے علاوہ حالؔی چراغؔ علی، وحیدالدین سلیم، وقارالملک، محسن الملک وغیرہ کے مضامین کافی معیاری ہیں اوران کے مضامین کی فہرست بھی طویل ہے۔

(ب) تہذیب الاخلاق کا دوسرا دور (۱۹۸۲ء سے اب تک):

رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کے پہلے دور کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رسالہ سرسید نے دسمبر ۱۸۷۰ء میں نکالا تھا اور تقریباً ۱۸۹۷ء تک تین بار بند ہوا۔لیکن ہم نے یہ دیکھا ہے کہ ''تہذیب الاخلاق'' کے چاہنے والوں نے اسے دوبارہ شروع کردیا۔اس رسالے کے دوراول کا پہلا حصہ ۲۴/دسمبر ۱۸۷۰ء سے ۲۰/ستمبر ۱۸۷۶ء تک رہا۔ دوسرا حصہ اپریل ۱۸۷۹ء سے ۲۸/ جولائی ۱۸۸۱ء تک، تیسرا حصہ اپریل ۱۸۹۴ء سے فروری ۱۸۹۷ء تک رہا۔ چونکہ مارچ ۱۸۹۷ء میں سرسید احمد خان کی موت ہوگئی اور یہی وجہ ہے کہ تیسرے حصے کے بعد سرسید کی موت کے ساتھ ہی اس رسالے کا علیحدہ وجود ختم ہوگیا۔وقفہ وقفہ سے تقریباً گیارہ بارہ سال تک ملک وقوم کی شاندار خدمات انجام دینے کے بعد یہ پورا قصہ پارینہ بن گیا۔سرسید احمد خان کے انتقال کے بعد محسن الملک اور وحیدالدین سلیم کی سرپرستی میں انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے ساتھ یہ رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۷ء تک شائع ہوتا رہا۔''تہذیب الاخلاق'' کے ادوار کے متعلق جانکاری دیتے ہوئے موجودہ دور میں رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کے مدیر اور شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر صغیر افراہیم اپنے اداریے میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

> ''تقریباً ڈیڑھ صدی پر محیط ''تہذیب الاخلاق'' کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو پہلا دور ۲۴/دسمبر ۱۸۷۰ء اور دوسرا ۲۳/اپریل ۱۸۷۹ء سے شروع ہوتا ہے۔تیسری

مرتبہ عنایت اللہ کی ادارت میں تقریباً تین سال تک (۷/اپریل ۱۸۹۴ء تا ۳/فروری ۱۸۹۷ء) یہ سلسلہ جاری رہا۔ سرسید کے انتقال کے بعد محسن الملک اور وحید الدین سلیم کی سرپرستی میں انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے ساتھ تہذیب الاخلاق ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۷ء تک شائع ہوتا رہا۔'' (۱۰)

تقریباً پچاسی (۸۵) سال بعد ۱۹۸۲ء میں جناب سید حامد وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی کوشش سے ''تہذیب الاخلاق'' کے نام سے ایک پندرہ روزہ پرچہ نکلنا شروع ہوا۔ اس کا سلسلہ انہوں نے سرسید کے ''تہذیب الاخلاق'' سے ملایا۔

سرسید کی موت کے بعد جب یہ رسالہ دوبارہ ۱۹۸۲ء میں شروع ہوا تو سید حامد صاحب اس وقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے اور اپنی سرپرستی میں اسے از سرنو جاری کیا اس رسالے کی قوم وملک کی قابل قدر خدمت کو دیکھتے ہوئے ان کے دل میں دوبارہ خواہش پیدا ہوئی کہ جس طرح سے اس رسالے نے معلومات وقوم کی اصلاح کا بھیڑا اٹھایا بالکل اسی طرح سے اس کے مضامین پُر از معلومات، مفید اور ایسی تدبیر بنائی جائے کہ اس کی رسائی ملک وبیرونی ملک تک حاصل ہو اور دوبارہ کبھی بند نہ ہونے کا نام ہو بالکل یہ تدبیر سید حامد کی کام آئی اور ۱۹۸۲ء سے اب تک یہ رسالہ ترقی کی نئی منزلیں طے کر رہا ہے بلکہ موجود دور میں اس رسالے نے جو کامیابی حاصل کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ نورالحسن نقوی (اکتوبر ۱۹۸۳ء، مئی ۱۹۸۶ء) مئی ۱۹۸۶ء کے اداریے میں لکھتے ہیں:۔

''اس شمارے کی اشاعت کے ساتھ تہذیب الاخلاق کے ایک عہد کا خاتمہ

اور دوسرے کا آغاز ہورہا ہے۔ جو انشاء اللہ پہلے کی بہ نسبت تابندہ ہوگا
سابق وائس چانسلر جناب سید حامد نے ۱۹۸۲ء میں سرسید کے اس رسالے کو
از سرنو جاری کیا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ یہ رسالہ سرسید کے تہذیب
الاخلاق کی طرح ملک وقوم کی کابل قدر خدمت انجام دے۔'' (۱۱)

پہلے اس رسالے کے مدیر خود سید حامد صاحب مقرر ہوئے اور مدیر مسعول ابتداء میں جناب قاضی معزالدین احمد بنائے گئے۔ اکتوبر ۱۹۸۳ء میں ڈاکٹر نورالحسن نقوی (شعبۂ اُردو کے استاد) اس کے مدیر بنے۔ مئی ۱۹۸۶ء میں آپ نے ادارت سے استعفیٰ دے دیا۔ آپ کے بعد پروفیسر اسرار احمد صاحب اس کے اڈیٹر اور ساتھ ہی کبیر احمد جائسی جوائنٹ اڈیٹر مقرر ہوئے۔ اس طرح جون ۱۹۸۶ء سے ان دونوں حضرت کی شبانہ روز محنت سے یہ رسالہ نکلتا رہا۔ رسالہ تہذیب الاخلاق کے ساتھ وابستہ مدیر جو ۱۹۸۲ء کے بعد رہے ہیں ان کی مکمل فہرست ترتیب وار کچھ اس طرح سے کی گئی ہے۔

۱۔ فروری ۱۹۸۲ء سے سید حامد صاحب ستمبر ۱۹۸۳ء تک
۲۔ اکتوبر ۱۹۸۳ء سے نورالحسن نقوی، مئی ۱۹۸۶ء تک
۳۔ جون ۱۹۸۶ء سے اسرار احمد صاحب، مارچ ۱۹۹۱ء تک
۴۔ اپریل ۱۹۹۱ء سے کبیر احمد جائسی، مارچ ۱۹۹۴ء تک
۵۔ اپریل ۱۹۹۴ء سے مسعود عالم، جولائی ۱۹۹۵ء تک
۶۔ اگست ۱۹۹۵ء سے نعیم احمد، جنوری ۱۹۹۶ء تک

۷۔ فروری ۱۹۹۶ء سے ابوالکلام قاسمی، مارچ ۲۰۱۲ء تک

۸۔ اپریل ۲۰۱۲ء سے ابوسفیان اصلاحی، مئی ۲۰۱۴ء تک

۹۔ جون ۲۰۱۴ء سے صغیر افراہیم.....اب تک

مقام مسرت ہے کہ رسالہ تہذیب الاخلاق کی اہمیت وافادیت ہر دور میں روز بروز بڑھتی رہی ہے۔ یہ رسالہ معنوی اور صوری دونوں حیثیتوں سے اچھے راستے پر گامزن رہا ہے اور تقریباً ہر دور میں اس نے اپنا لوہا منوایا ہے۔ رسالہ تہذیب الاخلاق ۱۸۹۷ء کے بعد پھر دوبارہ ۱۹۸۲ء میں شروع ہوا اور تاحال تک یہ رسالہ بڑے زوروں سے جاری ہے۔ ۱۹۸۲ء سے اب تک ہم نے دیکھا ہے کہ اس کے مدیر وقت وقت پر بدلتے رہے۔ جنہوں نے اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا استعمال کر کے نہ صرف اس رسالے کو تقویت بخشی بلکہ اس رسالے کے مقصد کو سامنے رکھ کر اپنا بیش قیمتی پیغام قاری تک پہنچایا ہے۔ جس سے اس رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کے لئے وہی عزت وقار بخشنے کی کوشش کی گئی ہے جو سرسید احمد خان کے دور میں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ پروفیسر صغیر افراہیم کو اس رسالے ''تہذیب الاخلاق'' کو بند کرانے پر بڑا افسوس تھا اور اس کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنے پہلے ہی اداریے میں جو دورِ مدیر کی حیثیت سے اُن کا پہلا اداریہ تھا ۱۹۸۲ء کے بعد کے دور پر خصوصی بحث کی ہے ایک جگہ یوں رقمطراز ہیں:

> ''ایک طویل عرصے تک نہ جانے کیوں باغ سرسید کے نگہبانوں نے اس اہم جریدہ سے چشم پوشی اختیار کی۔ اس خسارہ کا احساس اپنی وائس چانسلرشپ کے زمانہ میں سید حامد صاحب کو شدت سے ہوا، اور پھر انہوں نے تہذیب

الاخلاق بڑے تزک واحتشام کے ساتھ جاری کیا، یہ سلسلہ ہنوز برقرار ہے۔ مذکورہ رسالہ کا بنیادی مقصد معاشرتی اصلاح کے عمل کو مہمیز کرنا تھا جس کی آج بھی سخت ضرورت ہے۔ سرسید نے مذہب، ادب، ثقافت، تمدن، تعلیم اور تربیت، ہر سطح پر ''اصلاح'' کے وسیع تر مفہوم کو پیش نظر رکھا تھا۔ یہی سبب ہے کہ ماہنامہ تہذیب الاخلاق میں ان مسائل پر فکر انگیز مقالے شائع کئے جاتے تھے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ تہذیب الاخلاق کے بنیادی مقصد سے انحراف نہ کیا جائے اور بدلتے ہوئے معاشرتی تناظر میں ''خیال انگیز مکالمہ'' کو قائم کیا جائے۔ ہم اپنے مقصد میں اُسی وقت کامیاب ہوں گے جب ہمیں قلم کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہو۔ ہمیں ''تہذیب الاخلاق'' کے لئے سرسید شناسوں اور دیگر صاحب قلم حضرات کے مضامین کا انتظار رہے گا۔''(۱۲)

متذکرہ بالا اقتباس کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کے شائقین نہ صرف ماضی میں بہت تھے بلکہ ۱۹۸۲ء کے بعد جس قدر اس میں دلچسپی رکھنے والے افراد کا حلقہ بڑھا ہے وہ قابل تعریف ہے اور جو مسائل سرسید احمد خان کے دور میں تھے وہی مسائل اس دور میں بھی ہیں بلکہ مزید اس میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ دراصل اس رسالے کے مقصد کو دیکھتے ہوئے ۱۹۸۲ء کے بعد قلم کاروں نے اپنے مضامین میں فکر انگیز خیالات کو پیش کیا ہے جو سیاسی، سماجی، معاشی، تہذیب وثقافتی، معاشرتی، اصلاحی، علمی وادبی وغیرہ جیسے موضوعات سے

قاری کو واقف کرانا ہے۔ دورِ حاضر میں رسالہ تہذیب الاخلاق نے اصلاح و معاشرت کے علاوہ اردو زبان کی علمی و ادبی خدمات بھی انجام دی۔ اِس میدان میں اس کے کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے کابل ہیں۔ اس سلسلے میں تہذیب الاخلاق کے قلمی لکھنے والوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ سرسید احمد خان وان کے رفقا نے اس رسالے کے مضامین میں زیادہ تر مذہبی مباحثوں سے کام لیا تھا لیکن یہ بھی ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہر ادیب، ہر شاعر، ہر سوشل ریفارمر زمانے کے حال کے مطابق ہی اصلاح و آئینہ پیش کرتا ہے۔ چونکہ سرسید کے دور میں لوگ مذہب کے متعلق کوئی اصلاح نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے سرسید نے مذہبی بے جا جوش سے جس تاریک گڑھے میں وہ قوم چلی جاتی تھی خبردار کیا، دنیاوی باتوں میں، جن خیالات کی تاریک کے اندھیرے میں جو قوم مبتلا تھی اس کو روشنی دکھائی اور پھر مذہب اسلام پر نادانی کی جس قدر گھٹائیں چھا رہی تھیں اس کے متعلق اصلاح کر کے قوم کو اس مسئلے میں اصلی نور سے آراستہ کیا

لیکن ہم ۱۹۸۲ء کے بعد ''تہذیب الاخلاق'' کی بات کریں تو ان میں نہ صرف قدیم وجدید دور کا ایک مِلا جُلا اثر دکھائی دیتا ہے بلکہ ایک سنگم نظر آتا ہے۔ صحیح یہ کہ دور جدید کے مضمون نگار اس میں قدیم روایات و مذہبی مباحثوں سے انحراف اور جدید دور کے تقاضوں کی طرف زیادہ اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔ ۱۹۸۲ء کے بعد سے یہ رسالہ پابندی سے نکلنے لگا ہے تقریباً اس دور میں اسے چھتیس سال کا عرصہ مکمل ہو چکا ہے۔ اس عرصے میں اس رسالے کے معیار میں اضافے کے ساتھ ساتھ جدت و تنوع پایا جاتا ہے جس سے یقیناً قاری کافی حد تک مستفید ہوئے ہیں اور اس میں تقریباً یہ صاف دیکھا گیا ہے کہ اس رسالے میں مضامین ان ہی نامور شخصیات

کے لئے جاتے ہیں جواردو زبان وادب کے لئے فروغ دے رہے ہیں اوریہی وجہ ہے کہ اتنا عرصہ گُزر جانے کے بعد بھی اس رسالے کی اہمیت ومعنویت آج تک لوگوں کے دلوں میں بسی ہوئی ہےاورلوگ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اوراس کی حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں جس کی وجہ سے یہ تہذیب الاخلاق آج بھی ہندوستان کے اولین شماروں میں گِنا جاتا رہاہے ۔ رسالے کی مقبولیت اوراس کے معیار وحقیقت کو دیکھتے ہوئے ہماری نوجوان نسل بھی اس کی طرف راغب ہےضرورت اس بات کی ہے کہ اس سوچ وفکر کواپنی عملی زندگی کا حصہ بنایا جائے تاکہ اس رسالے کے ساتھ اورسرسید کے اس خیال کا تصور پورا کیا جاسکے جس کے لئے انہوں نے قوم کے معیار کو درست کرنے کی سعی کی تھی ۔۱۹۸۲ء کے بعد اس رسالے کے اداریے ومضمون سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہواہے جواپنے اندر سائنس، ٹیکنالوجی ،تحقیق ،تنقید ،اقتصادیات ،کمپیوٹر ،نیٹ ، ادب اخلاق ، معاشرت ،تہذیب ثقافت ومذہبی روایات وغیرہ کوسمیٹے ہوئے ہے ۔جس کے متعلق موادا کٹھا کیا جارہاہے پھراس سے دور درازلوگوں تک اس پیغام کو پہنچایا جاتا رہاہے ۔ یہ موضوعات بالکل صحیح میں سماج کی سنگین حقیقتیں اپنے اندر چھپائے ہوئے ہوتے ہیں جس پرعمل کرنے کی ضرورت ہے ویسے بھی تہذیب الاخلاق کے ہرشمارے میں اس بات کی طرف صاف اشارہ دیا جاتاہے کہ ہمیں سرسید شناسوں واس سوشل ریفارمر کی مثبت سوچ وفکر والے افراد کا تعاون چاہیئے تب جاکے ہم اس مشن واپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے ۔۱۹۸۲ء کے بعد کچھ عرصہ تو اس رسالے کے لئے اداریہ بھی نہیں لکھے جاتے تھے کچھ خامیاں ضرورتھیں لیکن کوئی بھی چیز جو پچاسی سال بعد شروع ہوتو کچھ نہ کچھ

اس میں ضرور کمی رہ جاتی ہے ۔ بہر حال جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس رسالے میں پھر سے وہی چمک دمک وحسن پھر آیا جو سرسید اور انکے رفقاء کے ذریعے اسے حاصل ہوا تھا۔ اس رسالے کے متعلق ہم اب یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں ابوالکلام قاسمی، ابوسفیان اصلاحی اور پروفیسر صغیر افراہیم صاحب جیسے افراد نے اس کی سرپرستی اختیار کرنے کے بعد اس رسالے (تہذیب الاخلاق) کی نوعیت یقیناً بدل دی اور اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ لوگ رسالے میں اپنا مضمون چھاپنے کے لئے کافی محنت غور وفکر و گہری دسترس حاصل کرنے کے بعد اس رسالے میں مضمون ڈالا جاتا ہے جس سے قاری یہ بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اسے نہ صرف عصر حاضر و موضوع کے مطابق مکمل آگاہی حاصل ہونی چاہئے بلکہ تاریخ و تعلیم کے اصولوں سے بھی اچھی طرح سے واقفیت ضروری ہے۔ اس رسالے کی اہمیت وافادیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نورالحسن خان ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''تقریباً ۸۵ سال بعد ۱۹۸۲ء میں سابق وائس چانسلر جناب سید حامد کی کوششوں سے تہذیب الاخلاق کا احیا ہوا۔ خدا کا شکر ہے یہ سلسلہ اب تک نہ صرف جاری ہے بلکہ ہر لمحہ مایل بہ ترقی ہے۔'' سرسید کے زمانے میں تہذیب الاخلاق میں جو مضامین شائع ہوئے ان کی معنویت آج بھی برقرار ہے بلکہ موجودہ حالات میں ان کی افادیت اور اہمیت شاید آج پہلے سے زیادہ ہے۔'' (۱۳)

متذکرہ بالا اقتباس ومختلف ماہرین کی رائے کے مطابق موجودہ دور میں تہذیب الاخلاق کو دیکھتے ہوئے اس میں سماجی واصلاحی مسئلوں کو اُبھارا جاتا ہے ۔ جس کی تحریریں حقائق پر مبنی

ہوتی ہے کوئی بھی مضمون اس رسالے میں بغیر حقیقت کے منظر عام نہیں آتا بلکہ حقیقی وعصری موضوعات کے متعلق مواد ترتیب دیا جاتا ہے اور جہاں جہاں مذہبی عقائد کو پیش کیا ہے وہاں تضاد جیسی صورتحال نہیں بلکہ ایک سیکولرازم کا درس ملتا ہے جو اس بات کا انکشاف بھی کرتا ہے کہ تہذیب اخلاق کے قلم کار معاشرتی اصلاح وسماجی ہم آہنگی پیدا کرنے پر زور دیتے ہیں۔جدید دور میں تہذیب الاخلاق کے قلم کار زبان وبیان ،تلفظ، الفاظ کی ادائیگی ، املا ، اعراب ، رموز اوقاف، زبان کی ہیت وغیرہ پر بہت زور دیتے ہوئے نظر آتے ہیں جس سے پڑھنے والے افراد واس کے علم میں زبان کے متعلق کافی سدھار ہوتا ہے۔

(ج) تہذیب الاخلاق کے اہم موضوعات:

سرسید احمد خاں ہندوستانی مسلمانوں کے اس وقت مسیحا بن کر سامنے آئے جب ۱۸۵۷ء کی ناکام بغاوت کا الزام خصوصی طور پر مسلمانوں پر لگایا گیا۔سرسید نے ایسے موقع پر مسلمانوں کی جانیں بچانے اوران کا کھویا ہوا وقار دوبارہ بحال کرانے کیلئے اپنی اصلاحی اور تعلیمی تحریک کو عام کر کے مسلمان قوم کو جدید تہذیب وجدید علوم وفنون کی روشنی میں تہذیبی، معاشرتی، سماجی وسیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے مختلف منصوبے بنائے جس میں سے رسالہ تہذیب الاخلاق ،بھی ایک بہت اہمیت رکھتا ہے۔اس رسالے نے نہ صرف اچھی عادتوں اور اچھے رہن سہن کو موضوع بنایا بلکہ سماجی معاشرے میں پھیل رہی بدعنوانیوں کو بھی دور کیا۔اس رسالے کا مقصد کیا تھا، کیوں جاری کیا گیا۔اس کی وضاحت کرتے ہوئے سرسید رقمطراز ہیں:۔

''بذریعہ اس پرچے کے جہاں تک ہم سے ہوسکے ان کے دین ودُنیا کی

بھلائی میں کوشش کریں اور جو نقصان ہم میں ہیں گو ہم کو نہ دکھائی دیتے ہوں مگر غیر قومیں ان کو بخوبی دیکھتی ہیں، ان سے ان کو مطلع کریں اور عمدہ عمدہ باتیں ان میں ہیں، ان میں ترقی کرنے کی ان کو رغبت دلاؤیں۔''(۱۴)

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر صغیر افراہیم لکھتے ہیں:

''تہذیب الاخلاق کے شماروں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وقت کی نبض کو ٹٹولتے ہوئے سرسید نے صحیح اور کارآمد تشخیص کی ہے۔ عقاید کی درستی، جدید علوم وفنون کی اہمیت، نئی ادبی اصناف کا تعارف جدید طرز زندگی مع صفائی وستھرائی اور طرزِ لباس کے، عزت وغیرت، آزادی رائے، انسانیت، خلوص، دردمندی جیسے موضوعات سے مذکورہ رسالے کے صفات بھرے پڑے ہیں۔''(۱۵)

''تہذیب الاخلاق'' نے مسلمانوں کے مذہبی اور سماجی خیالات کی اصلاح وقوم کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کے ابتداء میں جو مضامین لکھے گئے ان کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہوا جن کی معنویت اُس دور میں بھی تھی اور آج بھی ان کی اہمیت تسلیم کی جاتی ہے لیکن پہلے حصے کے بعد باقی ادوار واضح طور پر پست نظر آتے ہیں جس کی بڑی وجہ سرسید کی مصروفیت تھی۔ بہرحال سرسید احمد خان کی موت تک یہ رسالہ زوروں سے نکلتا رہا اس دوران تہذیب الاخلاق میں جو مضامین شائع ہوئے ان میں زیادہ تر سماجی، مذہبی،

معاشرتی اصلاح سے متعلق ہوا کرتے تھے۔انہیں موضوعات پر مضامین نہیں بلکہ اس کے علاوہ جو مضامین شائع ہوتے تھے ان میں تہذیب ،تمدن ،تاریخ ،سائنس ،اخلاقی ،فلسفہ ،علمی ،ادبی ،تعلیمی وغیرہ جیسے موضوعات پر لکھا جاتا تھا اور عصری مسائل پر بھی نظر رکھی جاتی تھی جس میں کمیٹیوں ، کالج و دیگر روئدادیں تفصیلاً شائع کرائی جاتی تھی۔ دراصل ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس دور میں تہذیب الاخلاق کے مندرجات کا دائرہ کافی بڑا تھا جو مسلمانوں کی تعلیمی ،سیاسی ،علمی ،ادبی ،سماجی ،معاشی ،اخلاقی ،معاشرتی ، مذہبی ،تمدنی مسائل کو بڑے زوروں سے پیش کرتا تھا۔لیکن ساتھ ہی اس رسالے وسرسید سوچ اور فکر کی خلافت بھی ہونے لگی جو اس نتیجہ تک بات پہنچی کہ اس رسالے کے خلاف متعدد اخبارات ورسائل نکلنے لگے جو جدید علوم وفنون ، جدید تہذیب وسرسید فکر وخیالات کی مذمت کیا کرتے تھے ،لیکن آہستہ آہستہ اس رسالے کی شہرت دور دور تک پھیلتی گئی اور اس رسالے کے ساتھ لوگ جڑنے لگے جو اُس وقت کا تقاضہ بھی تھا اور لکھنے والوں کا دائرہ بھی بڑھا ، چاہنے والوں کا دائرہ بھی بڑھا جو سرسید کی فکر وسوچ سے متاثر نظر آئے۔اس رسالے سے حسنِ معاشرت وتہذیب کو بہت ترقی نصیب ہوئی۔

دراصل تہذیب ومعاشرت کے موضوع کو اپنا کر اس رسالے نے عوام ومعاشرے میں پھیلی بدعنوانیوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' نے مذہبی مباحث کو بھی خوب موضوع بنایا اگر چہ سرسید پہلے ''تہذیب الاخلاق'' کو مذہبی مناقشوں سے دور رکھنا چاہتے تھے لیکن بعد میں مذہب کو موضوع بنایا گیا کیوں کہ اس وقت قوم ہر مسئلے پہ مذہب کی آڑ لیا کرتی تھی اس کی بے راہ روی میں مذہب کا عنصر غالب تھا۔سرسید نے اُس وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے محسوس کیا

کہ جب تک ان بتوں کہ نہ توڑا جائے گا تب تک قوم کو مذہبی اور سماجی ترقی کی راہ پر گامزن نہیں کیا جا سکے گا۔ دراصل میں دیکھا جائے تو مذہبی معاملات پر سرسید کے رفقاء بھی سرسید کی سوچ پر مخالفت کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اس مسئلے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ضیاء الدین انصاری لکھتے ہیں:

> ''اس کے علاوہ اور بھی متعدد اخلاقی مسائل پر سرسید نے قلم اٹھایا جن پر مسلمانوں کی طرف سے شدید ردعمل ہوا۔ لوگوں نے ان کی مخالفت میں مضامین لکھے جن میں سے کچھ تو خود تہذیب الاخلاق ہی میں شائع ہوئے! بقیہ ان رسائل کی زینت بنے جن کا بنیادی مقصد سرسید اور تہذیب الاخلاق دونوں کی مخالفت کرنا تھا۔ اس طرح سرسید کی مخالفت کا بازار اور بھی زیادہ گرم ہو گیا جس سے اُن کے اصل مشن کو واضح طور پر نقصان پہنچا۔ لوگ پہلے ہی سے انہیں کرسٹان اور ملحد بتا رہے تھے، سرسید کے اس قسم کے مضامین سے ان کی مخالفین کو اور تقویت ملی اور وہ پہلے سے زیادہ سرسید کی مخالفت میں سرگرم ہو گئے۔''(۱۶)

اخلاقیت کے موضوع پر نہ صرف سرسید کے دور میں یہ رسالہ مضامین شائع کراتا تھا بلکہ اخلاقی آموز نصیحت کو آج بھی اس دور میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے جو رسالے کی مجموعی پالیسی و معیار کے بارے میں ثبوت فراہم کرتا ہے۔

رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' اُردو زبان و ادب کو بھی موضوع زیر بحث بناتا رہا ہے۔ کسی شاعر

کسی ادیب، کسی دانشور، یا اردو زبان وادب کی نامور شخصیت پر مواد اکٹھا کر کے اسے مضمون کی شکل میں عوام کے سامنے لایا جاتا ہے جس سے قاری کو اس موضوع کے متعلق پوری جانکاری فراہم کی جاتی ہے۔ ابتداء میں ''تہذیب الاخلاق'' کے قلمی معاونین کی تعداد کچھ زیادہ نہیں تھی تاہم جتنے بھی لکھنے والے تھے وہ سب صاحب طرز اور ماہر علوم تھے، اس میں سرسید احمد خان کے علاوہ حالی، محسن الملک، وقار الملک، مولوی ذکاء اللہ، مولوی چراغ علی، سید محمود، وحید الدین سلیم، مولوی عنایت رسول چڑیا کوٹی کے اسمائے گرامی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہ صاحب قلم سب کے سب اردو زبان وادب میں فروغ دے رہے تھے انہوں نے اردو زبان وادب کے لئے جو لائحہ عمل اس رسالے کے ذریعے اپنایا وہ ایک اردو زبان میں نئی معلومات کا اضافہ کرتی ہے جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوسکتی ہے۔ اس رسالے کی اردو زبان وادب کے لئے کیا اہمیت وافادیت رہی ہے اس کی وضاحت خود سرسید ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک ہم سے ہوسکا ہم نے اردو زبان کے علم وادب کی ترقی میں اپنے ناچیز پرچوں کے ذریعے سے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ جہاں تک ہماری کج مج زبان نے یاری دی الفاظ کی درستی، بول چال کی صفائی پر کوشش کی۔ رنگین عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوئی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا، پرہیز کیا تک بندی سے جو اس زمانے میں مقتضی عبارت کہلاتی تھی، ہاتھ

اُٹھایا۔ جہاں تک ہوسکا سادگی عبارت پر توجہ کی ۔اس میں کوشش کی کہ جو لطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں ہو، جو اپنے دل میں ہو، وہی دوسرے کے دل میں پڑے۔تا کہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔''(۱۷)

تہذیب ومعاشرت، مذہبی اور اردو زبان کے علاوہ تہذیب الاخلاق نے مذہب اسلام پر جو نادانی کی گٹھائیں چھارہی تھیں ان کو ہٹانے کے لئے طرح طرح کے منصوبے اختیار کئے اور اس کی حقیقت کو سامنے لاکر لوگوں کو اِس کی اصلیت سے واقف کرایا۔ گویا یہ مسئلہ نہ صرف سرسید کے دور میں تھا بلکہ موجودہ دور میں بھی ان جیسی چیزوں کو زیر بحث لایا جاتا ہے اور قوم کو اپنی حقیقت کے نور سے آراستہ کیا جاتا ہے۔

اس رسالے میں تاریخی واقعات وحادثات کو بھی موضوع بنایا جاتا ہے جس سے قاری اسلاف کے کارناموں ودیگر خصوصیات سے واقف ہوتا ہے۔تاریخی قصے،تاریخی حکایت،صحافت ورسائل کی تاریخی دستاویزات،علی گڑھ کی تاریخ اردو زبان کی تاریخ،تحریک آزادی، ہندوستانی تاریخ وغیرہ کے موضوعات پر مضامین لکھ کر ان کے متعلق جانکاری فراہم کی جاتی ہے جو کاری کے علم میں اضافہ کرتی ہے اور ماضی کو جاننے پہچاننے کا بھرپور مواقع بھی ملتا ہے۔

اس رسالے نے سیاسی ،تعلیمی،علمی موضوعات پر بھی بے شمار مضامین شائع کروائے ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی زوروں سے جاری وساری ہے ۔کسی سیاسی شخصیات ، ادبی شخصیت کسی تعلیمی واقعات پر علمی حقائق وغیرہ کو زیر بحث لایا جاتا ہے جس پر جانکاری دینے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس رسالے کا دائرہ بھی وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔اگر ہم موجودہ دور کے موضوعات کی بات کریں تو اس

رسالے نے مختلف موضوعات کو اپنے اندر سمیٹنے کی کوشش کی ہے جس میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو خاص اہمیت دی جارہی ہے ۔ مثال کے طور پر ''تہذیب الاخلاق'' کا ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے۔

''ٹیکنالوجی میں روز افزوں نئی ایجادات واختراعات نے عالمی منظر نامہ کی پیشکش کو مرتب کیا ہے۔ پچھلے پچیس تیس برسوں میں ذرائع ابلاغ نے جس تیزی سے ترقی کی ہے اس میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا اہم کردار رہا ہے۔ اس کی وجہ سے آج دنیا ایک عالمی گاؤں (Global Village) میں تبدیل ہوگئی ہے۔ ذرائع ابلاغ کی بدولت تعلیم وتربیت، سیر وتفریح، کھیل کود، معیشت اور سیاست میں جتنے لوگوں کی شرکت اب ممکن ہے پہلے کبھی نہیں تھی۔ یہ ہماری سماجی، معاشی، تجارتی، تعلیمی، تہذیبی، اور ثقافتی زندگی پر پوری طرح اثر انداز ہوچکے ہیں۔ ان ذرائع کی بدولت وسیع وعریض دنیا اس حد تک سمٹ گئی ہے کہ بٹن دبانے یا اسکرین پر اُنگلیوں کے لمس سے آن واحد میں دنیا بھر کی سیر کی جاسکتی ہے۔'' (۱۸)

اس میں کوئی شک نہیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے بغیر ہم زندگی کے کسی بھی شعبہ جات میں ترقی نہیں کرسکتے ہیں یہ رسالہ تعلیم وتربیت، جدید علوم وفنون کے ساتھ ساتھ تفریح، کھیل کود، معیشت، سماجی، تجارتی وغیرہ کی اہمیت وافادیت کو واضح کرتا ہے جس سے نوجوان نسل اس طرف راغب ہورہی ہے جو وقت کی اہم ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔

۱۹۸۲ء کے بعد مضامین میں آپسی بھائی چارے، اتحاد واتفاق، قوم وملک کے تئیں خدمت، سماجی مفادات، سیکولرازم، غیر فرقہ پرستی، عورتوں کی تعلیم وان کے حقوق بچوں کی تعلیم وتربیت، حق اور انصاف وغیرہ جیسی چیزوں کو موضوع بنا کر ان سے متعلق مضامین لکھے جارہے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ سرسید کے دوران میں مسلمانوں کے بنیادی مسئلے اور تھے اور اس موجودہ دور میں کچھ مسئلے اور ہیں جن میں کافی تربیت ہوئی ہے اور قلمی افراد بھی موجودہ دور کی اہمیت وافادیت کو تسلیم کر کے ان موضوعات پر لکھ کر قوم کو نئی جہتوں سے روشناس کرارہے ہیں جس سے نہ صرف رسالے کیلئے لکھنے و پڑھنے والوں کا حلقہ بڑھ رہا ہے بلکہ رسالے کا معیار واس کی جدت وتنوع میں بھی اضافہ ہوتا رہا ہے:۔

> ''اس وقت ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ جب تک ہم خود حادثات سے دوچار نہیں ہوتے کسی مسئلے کے سنگینی کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں بڑے سے بڑا فرقہ وارانہ فساد ہوجاتا ہے، ہزاروں بے گناہوں کا خون ہوجاتا ہے، بسوں اور ریلوں کی توڑ پھوڑ میں خاصی تعداد میں بے گناہ مسافر زخمی بھی ہوتے ہیں اور بسا اوقات اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں مگر مجموعی اور منظّم طور پر بدامنی کے خلاف نہ تو کوئی آواز اٹھتی ہے نہ جلسے ہوتے ہیں اور نہ ہی جلوس نکالے جاتے ہیں، پوری کی پوری قوم اپنی آنکھوں سے اپنی تباہی وبربادی کو دیکھ رہی ہے مگر خاموش تماشا ہی بنی ہوئی ہے۔'' (۱۹)

متذکرہ اقتباس میں جو حق، انصاف، تضاد، فرقہ پرستی وغیرہ کا مسئلہ اٹھایا گیا ہے وہ اس

بات کا زندہ جاوید ثبوت فراہم کرتا ہے کہ قوم میں یکجہتی وغلط چیز کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت نہیں یا پھر ذاتی مفاد حاصل کر کے سماجی مفاد کو ترک کیا جاتا ہے یہ موجودہ دور کا بہت ہی سنگین مسئلہ بنتا جارہا ہے جس کی ذمے داری سرکار پر بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ ان مسئلوں پہ نزدیکی نگاہ بنائے رکھیں ۔اس رسالے کے ذریعے ہمیشہ ہی ان اہم موضوعات پر لکھا جاتا رہا ہے اور قوم کے جذبے، سماجی بیداری پر خصوصی توجہ اور ذاتی مفاد کو چھوڑ کر ملک وملت کے لئے کام کرنے کی سعی کرتا رہا ہے جو سرسید نے اپنی قوم کے سامنے کر دکھایا۔

''تہذیب الاخلاق'' تعمیرات ،علی گڑھ تحریک ،سرسید اوران کے رفقاء سرسید شناسوں کی علمی وادبی خدمات ، سرسید سے متاثر شخصیت واسلاف کے کارناموں کو بھی اپنا موضوع بناتا رہا ہے۔

مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کے موضوعات میں تنوع وجدت ہے ہر طرح کے موضوعات کو پیش کیا جاتا ہے جو عوام کی خواہشات اور تقاضوں کو مدنظر میں رکھ کر تحریر کیا جاتا ہے ۔عصر حاضر میں بے شمار رسالے نکلتے جارہے ہیں لیکن'' تہذیب الاخلاق'' کے موضوعات کا دائرہ اور معیار وسیع ہے اور ماہرین ہی اس میں زیادہ تر قلمی تعاون دیتے ہیں ۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تحقیقی وتنقیدی نامور ادیبوں ودانشوروں کے مضامین کو عام کیا جائے تا کہ یہ رسالہ دور دراز کے پسماندہ علاقوں تک بھی رسائی حاصل کر سکے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

حواشی:

۱۔مندرجاتِ تہذیب الاخلاق،محمد ضیاءالدین انصاری،ص ۵

۲۔ ایضاً

۳۔مضامین تہذیب الاخلاق،جلد دوم،ص ۷۰

۴۔تہذیب الاخلاق،جلد ۶،شمارہ یکم محرم،۱۲۹۲ھ

۵۔ایضاً

۶۔مندرجاتِ تہذیب الاخلاق،محمد ضیاءالدین انصاری،ص ۶

۷۔ایضاً۔ص ۸

۸۔ایضاً۔ص ۹۔۱۰

۹۔ایضاً۔ص ۹

۱۰۔جون ۲۰۱۴ء تہذیب الاخلاق شمارہ،صغیر افراہیم،ص ۱

۱۱۔ تہذیب الاخلاق،شمارہ نمبر مئی ۱۹۸۶ء،نورالحسن نقوی،

۱۲۔ایضاً

۱۳۔مندرجات تہذیب الاخلاق،محمد ضیاءالدین انصاری،ص ۴

۱۴۔تہذیب الاخلاق،شمارہ اول (سرسید) ص ۱

۱۵۔تہذیب الاخلاق شمارہ جون ۲۰۱۴ء،صغیر افراہیم،ص ۱

۱۶۔مندرجاتِ تہذیب الاخلاق،محمد ضیاءالدین انصاری،ص۹

۱۷۔ایضاً۔ص۱۱

۱۸۔اداریہ تہذیب الاخلاق،شمارہ اگست۲۰۱۴ء،صغیر افراہیم،ص۱

۱۹۔اداریے تہذیب الاخلاق، مدیر تہذیب الاخلاق،ص۱۹۸۲ء سے۱۹۸۶ء

☆☆☆☆☆☆☆